

انتقاد

صلحیں اقتضیت | یہ کتاب مصر کے مشہور عالم، مصنف اور عکراستاد ڈاکٹر احمد امین مرحوم کی تصنیف "ز عمار، الاصلاح فی عصر الحدیث" کا ارد و ترجمہ ہے۔ اس کے مترجم شیخ نبیر حسین ایم اے ہیں۔ مکتبہ علمیہ ریک روڈ لاہور نے اسے شائع کیا ہے قیمت درج نہیں۔ احمد امین مصر کے اس دوڑ کے مشہور اقلیٰ قلم میں سے ہیں۔ مرحوم نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں مسلمانوں کے عقلي ارتقا کی تاریخ جو فجر الاسلام، ضمیم الاسلام اور ظہر الاسلام کے نام سے کئی جلدیوں میں ہے۔ مرحوم کا سب سے بڑا اور پہلاً تصنیفی کارنامہ ہے۔ احمد امین جامعہ مصریہ قاہروہ میں پروفیسر تھے۔ وہ ڈاکٹر طاہر حسین کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ طاہر حسین کی طرح احمد امین بھی قدیم نظام تعلیم کے خارجِ تحسیل ہیں یعنی پہلے وہ شیخ مسٹھ تدیم علوم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے جدید علوم پڑھے۔ اور یورپ کی ایک دوڑ بائیں بھی سکھیں۔ اس کے بعد وہ "آفندی" ہوئے۔ اور درس و تدریس اور تصنیف ڈالیف میں نام پیدا کیا۔

احمد امین میں جہاں تحریر علی ہے وہاں ان کا ایک امتیازی و صفت اعتدال ہے اور یہ ان کی ہر کتاب اور رتوہر میں نمایاں ہے، ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ جو بات وہ کہتے ہیں اس کا تجزیہ کر کے اور اس کا یاق و سیاق بتا کر اس طرح پیش کریں کہ قاری اُس کی معمولیت کا تفہیم ہو جائے۔

اس کتاب میں مرحوم نے عبد حدیث کے ان دس ز عمار اصلاح کے حالات لکھے ہیں۔ محمد بن عبد الوہابؓ، سید جمال الدین افغانی، سر سید احمد خاں، سید امیر علی۔ ناصر الدین پاشا توپی۔ علی مبارک پاشا، عبد اللہ ندیم، سید عبد الرحمن الگواہی اور شیخ محمد عبدہ۔

مقدیر کتاب میں مصنف نے عالم اسلام کے عروج و اقبال کے بعد اُس کے زوال کا تذکرہ کرتے

ہوئے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کا بہر شعبہ پتی اور جہالت کے گرداب میں گھرا ہوا تھا۔ سیاست، معاشرت اور میثافت سب استبداد، ظلم اور رُوث کھوش سے عبارت تھے۔ علوم سے مراد صرف علوم دینی تھے۔ اور ان کی کائنات بس متون اور حواشی کو پڑھنا اور حفظ کرنا تھا، مذہب محض ظاہری رسوم کا نام تھا جس سے زندگی میں حرارت پیدا ہوتی، اور زندگی کو سکون ملتا۔ یہ حالات تھے جب یہے بعد دیکھے میں مصلحین پیدا ہوتے ہیں۔ اور اپنے اپنے زمانے، احوال اور ذاتی صلاحیتوں کے مطابق اصلاحی جدوجہد کرتے ہیں، ان میں سے بہوں کو دیں بھالا علا، کئی قتل کئے گئے جس نے معاشرتی عدل کا مطابق کیا۔ اُسے مسلمانوں کا دشمن قرار دیا گیا جس نے نائندہ حکومت کی ضرورت پر زور دیا، وہ بادشاہ وقت کا بااغنی قرار پایا، کسی نے عقیدہ کی اصلاح اور خالص دین کی دعوت دی تو اُسے محمد بنیا گیا۔ بہر حال ان مصلحین نے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور آج دنیا نے اسلام میں بوجو ترقی کی تو نظر آتی ہے اس میں ان بزرگوں کی کوششوں کا کافی بلا حصہ ہے۔

مشرکانہ رسوم کے خلاف اور خالص توحید کی فرشاد اشاعت کی تائید میں شیخ محمد بن عبدالواہاب کی زبردست تحریک اٹھی۔ اس کی تفصیل بتانے کے بعد احمداء میں لکھتے ہیں:- اس تحریک پر اتنا زمانہ گزرا گی۔ لیکن اب بھی عوام انس پیروں اور ان کے مزاولوں سے مرادیں مانگتے ہیں۔ میلاد کی مخلیں ہوتی ہیں اور جو توہہات پہلے مردج تھے، ان میں کوئی کمی نہیں آتی۔

مصنف نے گواں کی وجہ بیان نہیں کی، لیکن بات دراصل یہ ہے کہ باوجود اتنی زبردست ندی بتحریک ہونے کے "وہ بہت" زیادہ تو نظری تحریک رہی، اور اُس کا زور تمام کا تمام مناظروں پر رہا۔ بدقتی سے عالم اسلام کے اتفاقاوی و معاشرتی حالات ایسے تھے کہ اُس میں وہ طبقہ نہ پیدا ہو سکا جو اس تحریک کے زیر اثر مسلمانوں کے ساتھ کو ایک ایسی نشری پرے جاسکتا، جہاں یہ رسومات اور توہہات از خود بے کار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس دور کی ایک اور بڑی شخصیت خیر الدین پاشا توپنی کی ہے (۱۸۱۰-۱۸۴۲)۔ یہ پچھتے کہ خلام بن اکبر نے یہی کیے تھے، توپنی میں ان کی پروردش ہوتی۔ اور انہیں قدم و جدید علوم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ پھر وہ توپنی میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ انہوں نے توپنی میں ضروری اصلاحات کرنے کی بڑی کوشش کی۔ جسے خود غرض ارباب اقتدار نے ناکام بنادیا، بعد میں وہ ترکی گئے، جہاں سلطان عبد الجمید نے انہیں وزیر اعظم مقرر کیا۔ لیکن وہ صرف آٹھ ماہ اس منصب پر رہ سکے۔ ان کی شخصیت میں صدق قول، اظہار حق، بے خوف، صلاحت رائی، حریت فکر، صبر و تحمل اور برداشت

کے سب اوصاف موجود تھے، اور وہ قوں کی طرح ترکی کی بھی سچے دل سے خدمت کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ایک تو سلطان عبدالحیم کسی ایک ایسے وزیرِ اعظم سے خوش نزدہ سکتے تھے جو جویں حضوری نہ ہو، وہ سرے بقول مصنف:-

”علمائے دین بھی ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے، کیوں کہ خیر الدین ان کی تنگ نظری سے نالاں تھے اور سمجھتے تھے کہ ان کو ان امور سلطنت میں جو سے وہ نادائقت ہیں، دخل اندازی کا حق نہیں پہنچتا۔ اس طرح دینی طبقہ اپنے مخصوص منادیں خاطر نہیں نگ رکھتا تھا:-“

یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے قوں کی طرح ترکی میں بھی ان کی اصلاحی جدوجہد بار آ در نہ ہو سکی۔

جب خیر الدین پاشا قوں میں تھے، اور وہ ذرا سر سے علیحدہ ہوئے، تو بجائے کسی سیاسی سرگرمی میں حصہ لینے کے وہ ایک کتاب لکھنے میں مصروف ہو گئے ہے وہ مقدمہ ابن خلدون کی طرح اپنے دور کے مسلمانوں کے لئے ایک لائخنر نکرہ عمل کے طور پر پیش کرنا چاہتے تھے، وہ ایک جگہ مسلمانوں کو ملامت کرتے ہیں لکھنؤں نے قوم کی اصلاح کے لئے مغربی طریقوں سے کام نہیں لیا۔ اور وہ یورپ کی ہر چیز کو حرام سمجھتے ہیں۔ موصوف نے تاریخ اسلام سے ہوا لے دے کر ثابت کیا کہ مسلمان دوسری قوموں کے علوم سے بہت استفادہ کرتے رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں غزوہ احزاب کے موقع پر حضرت مسلم نارسی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے آنحضرت صلم نے خندق مکونے کا حکم دیا جس سے کعرب بالکل نادائقت تھے۔ نیز پہلے مسلمانوں نے یہاں علم حاصل کئے جن میں منطق بھی شامل ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں جو عالم منطق نہیں جانتا، اُس کے علم پر محدود سہ نہیں کیا جاسکت۔

ایک اور بیان خیر الدین پاشا نے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں فطری طور پر جو آزادی اور بلند تکالیفی روحی بھی ہے، اور جسے دینی تعلیم نے اور حکم کیا ہے، اگر وہ نئے حالات و اتفاق کو اپنالیں تو وہ دوسری قوموں سے کہیں آگے بڑھ سکتے ہیں۔

خیر الدین پاشا پہل صدی کے بزرگ ہیں، اُس دور میں ان کی اصلاحی کوششوں میں جو طاقتیں ستر راہ بنی ہوئی تھیں، ان کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:-

”مسلمانوں کی ترقی کے راستے میں دو طبقوں کی موجودگی رکاوٹ بنی ہوئی ہے، علماء دین صرف شریعت کو جانتے ہیں، اور دنیاوی امور سے نادائقت ہیں، اور نئے حالات سے صرف نظر کر کے تمام دینی احکام کی مطاب

پاہتے ہیں۔ در صورت اسی میں بہبیس ناہے۔ تو سرف دنیا کو دیکھتے ہیں اور دین سے نادا قفہ ہیں۔ اور وہ منہ
کی طرف رجوع کئے بغیر یورپ کے قوانین کا لانا ڈا جاتے ہیں۔

اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں۔ اسیم پہنچے بلطفے سے کہیں گے کہ دنیا کو اچھی طرح پہنچاؤ، درست بلطفے کی خدمت
میں گزارش کریں گے کہ دین سے واقفیت بہم پہنچاؤ، علماء دنیا وی معاملات چھوڑ دیجئے، جس سے ضرر پیدا ہوا۔
سیاست دان مذہبی اصولوں سے جاہل رہے، تو اس سے بھی قوم کو لفظان پہنچا، یہ امر ضروری ہے کہ دونوں طبقوں
کو علاویا جائے اور ان کا تعاون حاصل کیا جائے، واجب ہے کہ وہی اصولوں کو مدنظر رکھا جائے، اور جن امور
کے متعلق مذہبی احکام میں کوئی صراحت نہیں آئی، ان پر قوم کی مصلحت دیکھتے ہوئے فتح اور لفظان کا حکم ٹکایا
جائے اور عقل سے کام لیا جائے۔

یہ بات آج سے کوئی ایک صدی سے بھی کچھ زیادہ پہنچے کبھی گئی تھی۔ اور آج تک معلوم نہیں، ہر اسلامی
ملک میں ہر مصلح نے کتنی بار اسی بات کو دہرا رکھا ہے، لیکن افسوس علماء دین اور اس باب سیاست کا باب تک
ٹاپ نہیں ہو سکا۔ اور ان کی آپس کی دوسری بڑتی ہی جاری ہے، یہ دوسری کس قدر لفظان وہ ہے، اس
کا سب کو اقرار ہے، لیکن اس خلیج کو اب تک کوئی پڑھنیں کر سکا۔ اور پسلمانوں کی ترقی میں سب سے
بڑی کاروائی بھی ہوئی ہے۔

شیخ محمد عبدہ (۱۹۰۵ - ۱۹۳۹) کا باب کافی طویل ہے، جب وہ جامعہ ازہر میں داخل ہوئے
تو اس وقت کے بعض علماء ازہر کا ذکر کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:-

”شیخ احمد رفاعی بلاغت کی سب سے بڑی کتاب مظلوم کا درس دیتے تھے لیکن خود خط بھی نہ
کھو سکتے تھے درسرے شیخ عیش جو مغرب (مراکش) کے رہنے والے تھے، ان کی شهرت ان کی
دین داری اور تنگ نظری کے سبب تھی۔ وہ محوی سبب پر لوگوں پر کفر کا فتویٰ لگادیا کرتے تھے۔
دوسرے علماء بھی تھے ہجر ظروف و احوال کے طفیل دنیا وی معاملات اور جدید تہذیب و تمدن سے
شناہیو پچھے تھے، ان کا ذہنی افق وسیع تھا..... درسرے شیخ حسن الطویل تھے یہ نہایت
سمجھدار اور ذہنی تھے، زندگی کے بارے میں ان کے نظریات درست ہوتے تھے فلسفہ پڑھاتے تھے
اور زندگی سمجھے جاتے تھے، یہ تھی کہ ازہر کی ساری کائنات جس میں محمد عبدہ تعلیم پا رہے تھے۔ اس
تعلیم کا مدار الفاظی بحث پر تھا“

شیخ محمد عبدہ نے مصر کی معاشرتی اصلاح اور خاص طور سے ازہر کی اصلاح کی جو کوششیں کیں۔ احمد امین نے انہیں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: ازہر کی اصلاح کوئی آسان کام نہ تھا، اس سے قبل کوئی بھی اس امتحان میں کامیاب نہ ہو سکا تھا..... درستے اس سے اس پر ازہر کی دشمنی ہوئی بینا تھی، وہ تدبیر سے اتنے مالوف ہو چکے تھے کہ اس کو داخل ایمان سمجھتے تھے، ہر جدت کو کفر خیال کرتے تھے۔ غلطی زراع، جملہ کی تشریح اور غلطی کی تاویل میں ان کی عمد़یں بس رہ جاتی تھیں۔ وہ حقائق دنیا سے آنکھیں بند کئے بیٹھتے تھے، جو کوئی اصلاح کا پڑا رے کر اٹھتا، اس کے خلاف ماحول سیوم نہادیتے۔ مذہب کی پناہ سے کر حکومت کو ڈراستے، عوام کو بھڑکاتے اور اصلاحات کی آزاد کا گلہ دباریتے، ان کی کوشش ہوتی کہ چند نوجوان جو اصلاح کی آزاد بند کر رہے ہیں۔ اس کام سے دست بردار ہو جائیں۔

شیخ محمد عبدہ کو اپنی اصلاحی کوششوں میں ان سب مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، آخر میں وہ ازہر کی اصلاح سے مایوس ہو گئے، اور اس کے تھوڑا ہی سرصد بعد ان کا استقالہ ہو گیا۔

”خاتمه کلام“ میں مصنف نے لکھا ہے کہ یہ بزرگ گزر گئے، انہوں نے اپنے زمانے اور اپنے ماحول کے مطابق اصلاحی کام کئے۔ ان بزرگوں نے اصلاح کا بیچ بویا تھا، اور ہم نے اس کا پہل کھایا۔ جزا اور وفا کا تقاضا ہے کہ ہمارے نوجوان بھی اصلاح کے کام میں ان کے نقش قدم پر چلیں اور آئندہ نسل کے لئے نیک کام کا ریچ بوتے جائیں۔

مترجم شیخ نذر حسین ایم اے، نے اس کتب کا بڑا اچھا ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ اتنا روان ہے کہ یہ ترجمہ کے بجائے اصل معلوم ہوتا ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ کتاب اس طرح چھاپی گئی ہے کہ اسے دیکھ کر کسی کو خیال نہیں آسکتا کہ یہ کتاب اس قدر منفرد موضوع پر ہے، جسے ہر شخص کو پڑھنا چاہیے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے ہر شخص پڑھے، لیکن مسلم ہوتا ہے کہ ناشروں نے اس کو عام کرنے میں کوئی و پھری نہیں لی۔ (۲-۳)

یہ ماہنامہ دارالعلوم کراچی کا ترجمان ہے۔ اور اپریل ۱۹۶۶ء سے نکلنے
ماہنامہ ”البلاغ“ کراچی

تردد ہوا ہے۔ اپریل اور مئی کے دو شمارے اس وقت ہمارے سامنے